شناختی کارڈ

میں مذہب کے خانہ کا اضافہ

اور

اس کے مضمرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند روز سے پاکستان میں شناختی کارڈ میں مذہبی خانہ شامل کیے جانے یا نہ کیے جانے کا مسئلہ بہت اہمیّت اختیار کر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کا وہ گروہ سرگرم عمل ہے جو ایک عرصہ سے حکومت کی طرف سے بددل ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس بد دلی کے پیچھے موجبات کو حکومت بہتر سمجھتی ہے یا علماء کا یہ طبقہ۔ لیکن یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ خاص طور پر دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کو موجودہ حکومت کے دوران مفادات کے آزادانہ حصول اور اُن سے بہرہ ور ہونے کا موقع میسّر نہیں جو پہلی حکومتوں میں اور خصوصاً جنرل ضیاء کے وقت حاصل تھا۔ اس لیے یہ طبقۂ علماء مختلف اوقات میں اس امر کے لئے کوشاں رہا ہے کہ اپنی سابقہ ساکھ اور حیثیت کو بحال کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن ان کی بدقسمتی سمجھ لیں کہ موجودہ حکومت ان کی ماضی کی دھاندلیوں، زیادتیوں اور ناجائز انتفاع کی صورتوں کو سامنے رکھ کر زیادہ محتاط ثابت ہوئی کہ اس طبقہ سے حتیّ الوسع دوری بہتر ہے۔ لہٰذا یہ طبقۂ علماء اس تلاش میں تھا کہ کوئی موقع ہاتھ آئے۔ اب جبکہ حکومت کی طرف سے بعض اغراض اور مصالح کے پیشِ نظر سابقہ شناختی کارڈوں کو منسوخ کر کے نئے شناختی کارڈ بنانے اور کمپیوٹرائز کرنے کا معاملہ شروع ہوا تو ان علماء

کو جو معاملہ کی تاک میں تھے یہ موقع مناسب محسوس ہوا کہ وہ اپنی ساکھ بحال کرنے کے لیے یہ مسئلہ اٹھا سکتے ہیں کہ مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں شامل کیا جائے۔ اس سے ان کی دو غرضیں تھیں۔ اگر مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں شامل ہو جائے تو اس کامیابی کے نتیجہ میں وہ دُنیا کو مُنہ دکھانے کے قابل ہو جائیں گے اور حکومت کو بھی ان کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور اگر حکومت اپنے مؤقف میں پختہ نکلی اور اس مطالبہ کو ردّ کر دیا گیا تو مذہب کے حوالہ سے مُلک کے اندر ایک انتشار کی کیفیّت پیدا کرنے کے لیے انہیں ایک سٹیج میسّر آجائے گا۔

بہرحال حکومت نے کسی مصلحت کے ماتحت ابتداءً اس مطالبہ کو نظر انداز کیا اور کچھ عرصہ کے بعد یہ فیصلہ بھی کیا کہ ایسے مطالبہ کو حکومت بعض وجوہ سے منظور نہیں کر سکتی لہٰذا طویل انتظار کی بجائے بہتر یہ ہے کہ کارڈوں کے اجراء کا سلسلہ شروع ہو۔ جیسا کہ خبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش لاکھ ڈیڑھ لاکھ کارڈ کمپیوٹر کے ذریعہ نئے سسٹم میں جاری ہو چکے ہیں جس کے بعد اس طبقۂ علماء نے محسوس کیا کہ اگر یہ موقع ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو اپنی اہمیّت منوانے کے لیے کوئی نیا سٹیج قائم کرنا پڑے گا جس کے لیے لمبا وقت درکار ہو گا۔

دوسری طرف یہی وہ موقع تھا جب جماعتِ اسلامی اور مذہب کی آڑ میں سیاست کھیلنے والے بعض دیگر گروہوں کو بھی حکومت سے مایوسی اور بددلی تھی۔ چنانچہ علماء نے ایسے سیاسی مذہبی گروہوں سے رابطہ بھی کیا چنانچہ بنیادی باہمی اختلافات شدید ہونے کے باوجود انہوں نے اس مسئلہ میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا زیادہ بہتر جانا تاکہ اس ذریعہ سے حکومت کو پریشان کرنے کا موقع ہاتھ آجائے اور وہ حکومت کے خلاف اپنا غصّہ نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔

حکومت سے مطالبہ منظور کروانے کیلئے علماء کا ڈرامہ

چنانچہ باہمی اتفاق سے یہ طے کیا گیا کہ ۱۴ اکتوبر کو اسلام آباد میں ایک شدید قسم کا مظاہرہ کیا جائے گا جو حکومت کے لیے کئی مسائل پیدا کرنے کا موجب بن سکتا ہے ۔ یہ ایک تأثر تھا جو ان عناصر کی طرف سے پیدا کیا گیا ۔ اور ان کی خوش قسمتی کہ اخبارات نے اس تاثر کو بڑھا چڑھا کر پھیلانے اور ملک کے کونے کونے تک پہنچانے میں ایک بنیادی کردار ادا کیا ۔ حکومت کو چونکہ اخبارات کی دُنیا سے براہِ راست واسطہ اور تعلق نہیں اور یہ وہ فیلڈ ہے جس میں ساری حکومتیں ہمیشہ مات کھاتی رہی ہیں ۔ نچلے طبقہ میں بیوروکریسی کے ذریعہ اخبارات کا جو لُبِّ لباب اور نچوڑ بالا افسران یا مجاز اتھارٹیز کو پہنچتا ہے وہ اُس پر ایمان بالغیب لے آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہے کہ اخبارات کے حوالہ سے ذہنوں میں کیا بات فیڈ کریں اور اس کے مطابق مرکزی انتظامیہ قدم اٹھائے ۔ اس معاملہ میں بھی یہ ڈرامہ رچایا گیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کر کے اس بات پر مجبور ہوئی کہ ۱۳ اکتوبر کی شام یہ اعلان کر دے کہ جس مطالبہ کے پیش نظر کل مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا گیا ہے مخالف گروپ اور سارے علماء مطمئن رہیں کہ حکومت ان کے مطالبہ کو منظور کرتی ہے ۔ یہ بات بعید نہیں کہ درپردہ بیوروکریسی کے کسی لیول پر حکومت کو یہ مشورہ دیا گیا ہو کہ فی الوقت علماء کے اس اکٹھ کو مات دینے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ ہم ان کا مطالبہ ماننے کا اعلان کر دیں تا مظاہرہ والی صورت سے مرکز اور حکومتِ پاکستان بچ جائے ۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوگا اس کا اندازہ انہیں شاید اس وقت نہیں تھا ۔ جب حکومت کی طرف سے ایسا اعلان ہوا کہ شناختی کارڈ

ہیں مذہب کا خانہ شامل کرنے کے لیے حکومت آمادہ ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں مظاہرہ کا پروگرام تو ملتوی کر دیا گیا لیکن وہ عناصر جو مظاہرہ کے نام پر اکٹھے ہو چکے تھے انہوں نے مظاہرہ کی بجائے اسلام آباد میں ایک جلسہ کیا اور اس جلسہ میں چار پانچ مذہبی وسیاسی گروہوں کے سرکردہ افراد نے تقاریر کیں اور علماء کی طرف سے اس سٹیج پر اس مطالبہ تسلیم کیے جانے کے باوجود یہ مطالبہ قائم رکھا گیا کہ حکومت بیشک شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے پر آمادہ ہوگئی ہے لیکن ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم چاہتے ہیں حکومت کو ویسا کرنا پڑے گا۔ اس سے ان کی مُراد کیا تھی یہ بعد کے وقت نے آکے بات ظاہر کی۔ وہ صرف مذہب کے خانہ پر مطمئن ہونیوالے نہیں کیونکہ اس سے انہیں کوئی براہِ راست فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں شامل ہو یا نہ ہو یہ علماء کے براہِ راست کسی فائدہ کا مسئلہ نہیں۔ ہاں یہ ایک ذریعہ تھا گورنمنٹ کو پریشان کرنے کا، یہ ایک ذریعہ تھا گِری ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کا، بکھرے ہوئے مذہبی عناصر کو تھوڑی دیر کے لیے مجتمع کرنے کا! ۔ یہ مقصد ان کا پورا ہو چکا تھا۔ اس لیے اگر صرف مذہبی خانہ شناختی کارڈ میں شامل کرانا ہی مقصود تھا تو حکومت کے اس اعلان کے بعد اطمینان کا اظہار ہونا چاہیئے تھا کہ ہمارا مطالبہ پورا ہو چکا ہے۔ لیکن اس جلسہ میں جو کچھ کہا گیا وہ اس بے اطمینانی کی پھر بھی غمازی کرتا ہے جو اس مطالبہ کے درپردہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت کے لیے مطالبہ کی ایک لائن مسلسل قائم رکھی جائے تا وقتیکہ حکومت گھٹنے ٹیک کر اس گروہ سے کہے کہ ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم سجدہ سہو کرتے ہیں اور آئندہ حکومت کے تمام کاروبار میں آپ کے مشورہ اور ہدایت کی تعمیل ہوا کرے گی۔ اور ظاہر ہے جس روز حکومت نے یہ اقرار کر لیا وہ حکومت کا انجام اور اختتام ہوگا۔ کوئی حکومت دُنیا میں اس طرح کام نہیں کر سکتی کہ وہ مذہبی عناصر کو اپنے

کندھوں پر سوار کر کے بیٹھ جائے ۔ اور عناصر بھی وہ جو حد درجہ متعصب تنگ نظر اور فرقہ واریت کے بانی مبانی ہوں

اس فیصلہ کے متعلق اقلیتوں کا ردّ عمل

چنانچہ حکومت کا اعلان اپنی جگہ، جلسہ اپنی جگہ لیکن اب ایک تیسرا فریق سامنے آیا اور یہ ان دونوں فریقوں کی ملّی بھگت کا طبعی نتیجہ تھا ۔ وہ فریق ہے اقلیتوں کا ۔ ان کو مذہب کے خانہ کے حوالے سے جس مشکل میں مبتلا کیا گیا ہے اور جس کے بھیانک نتائج تدریجاً ظاہر ہوتے رہیں گے ان کا احساس کر کے اقلیتوں کا باہر سڑکوں پر نکلنا، جلوس اور مظاہرے کرنا ایک طبعی نتیجہ ہے، اور ان کے خلاف جو منصوبہ بندی علماء کے ذریعہ کی یا کرائی گئی ہے یہ اس کا منطقی نتیجہ ہے ۔

اقلیتوں کے ردِّ عمل کو ٹھنڈا کرنے کیلئے پیش کیے گئے دلائل سے متعلق تجزیہ

اس وقت تک اقلیتوں کے ردِّ عمل کو ٹھنڈا کرنے اور خاموش کرانے کے لیے جو دلائل مذہبی خانہ شامل کرنے کے حق میں دیئے جا رہے ہیں ان کا اختصار سے تجزیہ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر وہ معقولیت اور وزن نہیں کہ وہ ایک معقول ذہن کو مطمئن کر سکیں ۔ اگر حکومت کو اپنے مؤقف کے حق میں ایسے بودے دلائل کا ہی سہارا لینا تھا تو اس کی بجائے بہتر تھا کہ وہ اپنے سابقہ مؤقف پر قائم رہتی اور علماء کو کسی اور "ذریعہ" سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی لیکن مٹھی بھر علماء جو ایکسپلائٹ کرنے اور فتنہ انگیزی میں معروف اور تجربہ کار چلے آ رہے ہیں ان کے سامنے حکومت کا جھکنا محض اس غرض سے کہ اُن کے شر سے اپنے آپ کو بچا لے لیکن اس قیمت پر کہ مُلک بھر کی تمام اقلیتوں کو مسلسل اذیت اور دُکھ میں مبتلاء کر دے، یہ حکومت کے لیے دانشمندی کی بات نہیں تھی ۔ اس کے نتیجہ میں اقلیتوں

کی طرف سے بے اطمینانی اور اضطراب کا اظہار ایک فطری تقاضا ہے، فطری نتیجہ ہے۔
پہلی دلیل:۔ اس وقت تک جو دلائل شناختی کارڈ میں مذہبی خانہ شامل کرنے کے حق میں پیش کیے جا رہے ہیں، ان میں سب سے بڑا، جس کو بڑا سنوار کر صدر مملکت سے لے کر بعض علماء اور بعض سیاسی عناصر بھی یہ کہتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ مذہب کو ظاھر کرنے میں بھلا کیا شرمندگی ہے؟ مذہب اپنا ہو تو اُسے چھپایا کیوں جائے؟ اس سوچ کو غلط تناظر میں پیش کیا گیا ہے حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حکومت، حکومت کے کارندے اور ہمنوا، خیر خواہ، مشیر اور سیاسی لیڈر یہ سارے کے سارے کچھ عرصہ سے اس مسئلہ پر بیان بازی میں مسابقت کی کوشش میں ہیں کہ مُلک کے اندر فرقہ وارانہ رجحانات کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ مُلک میں فرقہ وارانہ رجحانات خطرناک حد تک بڑھ چکے ہیں اور ان کو کسی قانون کے شکنجہ میں جکڑنا، روکنا اور ملک کو ان سے بچانا ضروری ہے تو ایک طرف آپ فرقہ وارانہ رجحانات کو ختم کرنے کے منصوبے بناتے ہیں دوسری طرف اس حصۂ آبادی کو جن کو آپ اقلیّت کہتے اور کمزور سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف من مانی کرتے ہوئے کسی دلیل کو ضروری نہیں سمجھتے، اس طبقہ سے آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ مذہب کا نمایاں لیبل لگا کر معاشرہ میں گھومیں پھریں۔ یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اگر فرقہ وارانہ رجحان کی وجہ سے مُلک کو خطرہ پیدا ہو چکا ہے تو فرقہ وارانہ رجحانات کو ہر سطح پر دبانے اور ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اقلیّتیں تو اپنے مذہب کو کارڈ میں دکھا کے گلیوں میں گھومیں اور عدالتوں اور دفتروں میں اپنے آپ کو پیش کریں اور دوسری طرف حکومت اور حکومت کی ہر سطح سے یہ اعلان ہو رہا ہو کہ جناب فرقہ ورایت ایک زہر ہے جو مُلک کو کھا رہی ہے۔ اس کو فوری طور پر ختم کیا جائے اور قانون کے ذریعہ اس کو بند کیا جائے۔ تو جہاں آپ کو خطرہ ہو قانون کے ذریعہ اسے روکنا چاہتے ہیں اور جہاں اقلیّتوں

کا سوال ہو وہاں ان کے مذہب کی بنیاد پر تفریق کو آپ اچھالنا چاہتے ہیں۔ بیک وقت یہ دونوں باتیں کس طرح درست ہو سکتی ہیں؟

یہ امر خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ جو فضا آپ فرقہ واریت کے حوالہ سے بیان کر رہے ہیں اور زہرناک فرقہ وارانہ کیفیت جو ملک میں پیدا ہو چکی ہے، اس میں آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک غیر مسلم اپنے شناختی کارڈ میں اپنے غیر مسلم ہونے کا اعلان کرتا پھرے، برسرِعام اس کا اظہار کرے اور اپنے مذہب کے اظہار میں نہ شرمائے۔ آپ کی یہ بات تب معقولیت کا رنگ رکھتی ہے جب آپ خود بھی اس پر عمل کریں۔ صدر صاحب اپنا فرقہ معین کریں اور آئندہ اس فرقہ کے حوالہ سے بازاروں، چوراہوں، جلسوں اور سٹیجوں پر اپنے آپ کو کھڑا کر کے دیکھیں کہ اُن کے ساتھ کیا بیتتی ہے۔ علماء کے مختلف گروہ جو دیوبندی، بریلوی، سُنّی، شیعہ، وہابی یا اہلحدیث ہیں یہ سارے کے سارے اپنے مذہب کا نام جس کی طرف وہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں وہ اپنے شناختی کارڈوں میں درج کرائیں اور اس کے حوالہ سے ملک میں گھومیں تو انہیں آٹے دال کے بھاؤ کا پتہ چل جائے گا۔

ایک طرف تو آپ فرقہ وارانہ رجحانات کی وجہ سے خطرہ محسوس کرتے ہیں مگر دوسری طرف آپ ایک طبقۂ آبادی کو قربانی کا بکرا بھی بنانا چاہتے ہیں۔ اس دلیل میں قطعاً کوئی معقولیت نہیں کہ غیر مسلم اقلیتیں کہہ کر انہیں کہا جائے کہ مذہب کا اظہار کرو اور خود مذہب کے حوالہ سے قانون بنا کر اپنے تحفظ کے رستے سوچے جائیں۔ اگر شناختی کارڈ میں مذہب کا اظہار ضروری ہے تو غیر مسلم تو کوئی مذہب نہیں اور مسلمان بھی کوئی مذہب نہیں۔ غیر مسلم کو آپ مجبور کریں گے کہ تم لکھو کہ میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں، میں قادیانی ہوں، میں لاہوری ہوں میں فلاں ہوں۔ تو پھر آپ کو سُنّی، شیعہ، دیوبندی

بریلوی وغیرہ لکھنے میں کیا عذر ہے؟ جب آپ دوسروں کی شرم دور کرنا چاہتے ہیں تو اپنی شرم بھی تو دور کریں اور اپنے شناختی کارڈ میں لکھیں کہ میں دیوبندی ہوں، میں بریلوی ہوں، میں شیعہ ہوں، میں سُنّی ہوں اور اس اظہار کے بعد پھر آپ دیکھیں کہ مارکیٹ میں آپ کے ساتھ کیا بیتتی ہے؟ نہ غیر مسلم کوئی مذہب نہ مسلم کوئی مذہب ہے۔ اور مذاہب اربعہ مسلمانوں میں پہلے سے مشہور چلے آرہے ہیں اور ہر ایک آدمی ان میں سے کسی نہ کسی مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ جہاں تک لفظ مذہب کا سوال ہے یہ درحقیقت انہی اندرونی تقسیموں کے حوالہ سے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلّق ہے اسلام تو ایک دین ہے اور اس حوالہ سے تو آپ اپنے آپ کو دین کی پناہ میں رکھیں اور باقی اقلیتوں کو آپ مذہب کے ٹکڑوں میں بانٹنا چاہیں اس کے اندر کوئی معقولیّت نہیں۔ تو اگر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ شرم اپنی بھی دور کرنی ہے اور غیر مسلموں کی بھی دور کرانی ہے تو پھر آپ ڈٹ کر یہ فیصلہ کریں کہ آئندہ ہر آدمی کا وہ مذہب اور مسلک کارڈ میں درج ہو گا جس کی طرف وہ اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ اور اگر یہ کرنے کے لیے آپ آمادہ ہو جائیں کہ ہر پاکستانی اپنے فرقہ اور مسلک کو شناختی کارڈ میں درج کرائے تو پھر آپ کی لمبے عرصہ کی یہ دُہائی اور واویلا کہ فرقہ واریت نے ہمیں لوٹ لیا اور کھا لیا، ہم تباہ ہو رہے ہیں، اس کے متعلّق آپ کا کیا مؤقف ہو گا؟ اس لیے مناسب یہی ہے کہ مذہب والے جھمیلے کو شناختی کارڈ میں نہ چھیڑا جائے اور اس کے اندر کوئی معقولیّت نہیں کہ یہ کہا جائے کہ مذہب کے معاملہ میں شرم کی کیا بات ہے؟ شرم آپ خود کرتے ہیں اپنی ذات کی حد تک اور دوسروں کو تلقین کرتے ہیں کہ شرم نہ کرو۔ دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کی ضرورت ہے۔

دوسری دلیل:۔ پھر مذہب کے حوالہ سے بہت سے اخبارات و رسائل جو علماء کی ہمنوائی

میں قلمی طاقت دکھا رہے ہیں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے اظہار سے کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا، قیامت نہیں آجائے گی، زلزلہ نہیں آجائے گا، کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ اس سے پہلے مختلف مدارج اور مختلف سطحوں پر مذہب کا اظہار ہوتا رہتا ہے شناختی کارڈ کی درخواست دیتے ہیں، اس میں، ووٹ بنواتے ہیں تو اس میں، پھر آبادی میں جہاں جہاں کسی کی رہائش ہے اس کا مذہب معروف ہے۔ کسی کو اس بارہ میں اشتباہ نہیں۔ تو جب اس حد تک مذہب کا اظہار ہوتا چلا آرہا ہے تو اگر شناختی کارڈ میں بھی ہو جائے تو اس سے کیا نقصان ہوگا یا کیا قیامت آجائے گی؟ ۔ بظاہر یہ دلیل اسی قسم کی ہے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ بیک گراؤنڈ آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مذہب کا اظہار پاکستان میں ایک پاکستانی کو کئی سطحوں پر پہلے سے ہی کرنا پڑتا ہے ۔ تو اگر کوئی قانون، کوئی طبقہ، کوئی حکومت اور کوئی سوسائٹی کسی آدمی کے اپنے مذہب کے کم و بیش بارہ مرتبہ اظہار کے بعد بھی مطمئن نہیں تو آیا اس کے اطمینان کی خاطر تیرہویں دفعہ اس کے مذہب کا اظہار ضروری ہے؟ اور اس تیرہویں دفعہ کے اظہار سے آخر کس چیز کو نمایاں کرنا مقصود ہے جبکہ بارہ مرتبہ مختلف اوقات میں ایک شخص اپنے مذہب کا اظہار کیے بیٹھا ہے؟ لیکن اگر بعض مخصوص علماء کے اطمینان کا سوال ہو تو حکومت کو یہ انتظار کرنی چاہیئے کہ بہت جلد اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے بعد یہ مطالبہ بھی آئے گا کہ آئندہ کے لیے غیر مسلم اقلیتیں اپنے مذہب کا لیبل اپنے سینہ پر چسپاں کیا کریں کیونکہ شناختی کارڈ پر اندراج کی صورت میں بھی کسی شخص کے مذہب کا اظہار اس شخص یا متعلقہ افسر مجاز کے سامنے ہی ہوگا جس سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن چلتے پھرتے ہمیں کیا پتہ چلے گا کہ وہ عیسائی ہے؟ گویا اس کے بعد پھر مطالبہ ہوگا کہ شناختی کارڈ اپنے سینہ پر لگا کر چلے یا غیر مسلموں والا لباس پہنے یا اس کے چہرہ مہرہ سے اندازہ ہو کہ وہ غیر مسلم ہے۔ اس کے بغیر تو یہ علماء بیٹھنے والے نہیں اور اسلام آباد کے اُس جلسہ میں جو

انہوں نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو مظاہرہ کی بجائے کیا ہے اس میں دراصل اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ حکومت یہ نہ سمجھ لے کہ شناختی کارڈ میں حکومت نے مذہب کے خانہ کا اعلان کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے ۔ حکومت تب ہماری نگاہ میں بری الذمہ ہو گی جب ہماری مرضی کے مطابق یہ سارا کام مکمل کرے گی اور علماء کی مرضی یہی ہے کہ اس ملک میں اس رنگ میں اقلیتوں اور حکومت دونوں کو ذلیل و خوار کیا جائے کہ جس کے نتیجہ میں ملک میں امن اور قانون کیلئے مسائل کھڑے ہوں اور نتیجۃً یہ ملک ٹوٹ جائے ۔

پھر اس لحاظ سے بھی یہ معاملہ سنجیدہ توجہ اور غور و فکر کا محتاج ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی اقلیت یا اکثریت سے تعلق رکھنے والا فرد اپنے یومیہ کردار کے اعتبار سے ایسا غیر معروف نہیں کہ اس کے متعلق یہ علم نہ ہو سکے کہ وہ کس مذہب کا پابند ہے ۔ اور اگر آپ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کر کے اس کو یہ تلقین کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب کے اظہار میں نہ شرماؤ تو سوال یہ ہے کہ کس کے سامنے شرمانے کی مشکل اُسے درپیش ہے ؟ اس کی صبح سے شام تک کی زندگی لوگوں کے سامنے نمایاں ہے ۔ چرچ جانیوالا یا مسجد جانیوالا ہر دو کے بارہ میں کوئی اشتباہ نہیں ۔ روزمرّہ کے ان کے سوسائٹی کے تمدنی و مذہبی مسائل اور اندازِ فکر، طرزِ عمل، تقریبیں اور اسی قسم کے فنکشن یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ لوگوں میں اشتباہ والی کوئی صورت کبھی پیدا نہیں ہوتی ، تو یہ الجھاؤ کس کو درپیش ہے کہ کسی کے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کر کے مطمئن ہونا چاہتا ہے ؟ زیادہ سے زیادہ یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ کسی جگہ ملازمت کا سوال ہے اور ایک عیسائی یا قادیانی مسلمان کی سیٹ پر قابض نہ ہو جائے ۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ اقلیتوں کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں تو آپ یہ کہتے ہیں کہ سوائے صدرِ مملکت کے عہدہ کے جس کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے آئین کی رُو سے باقی کسی بھی پوسٹ پر کوئی غیر مسلم پہنچ سکتا ہے ۔ جب آپ نے

پہنچنے کا دروازہ کھُلا رکھا ہوا ہے تو پھر اس بحث کو اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے اور کس موقعہ پر اس بحث سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ہو تو ہمیں پتہ چل جائے گا؟ سوال یہ ہے کہ جس کلیدی آسامی پر کسی شخص کو آپ نے بٹھانا ہے آیا ایک رات کے عمل میں وہ کلیدی آسامی کا اہل بن گیا یا ایک لمبا کردار ادا کرنے کے بعد اس سیٹ اور اس پوزیشن کا اہل ہوا ہے؟ تو اگر ایک لمبے کردار میں سے گزر کر وہ اس مقام اور منصب پر پہنچ رہا ہے تو اس کے متعلق کون سی اشتباہ والی صورت باقی رہ گئی ہے جس کو آپ شناختی کارڈ میں مذہبی خانہ کے ذریعہ واضح کرانا چاہتے ہیں؟ تو مذہب کے اظہار کے عنوان سے کہنا کہ اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں، دراصل یہ شرمانے والا مسئلہ نہیں ہے بلکہ غلط دلیل دے کر کسی کا منہ بند کرنے کی ناواجب کوشش ہے۔ اور یہ شرم اگر دُور کرنی ہے تو پھر سارے معاشرہ کی ہونی چاہیئے۔ صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، سپیکر، سینیٹ کے چیئرمین، کیبنٹ کے وزراء نیز قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبر بھی اپنے شناختی کارڈوں میں اپنا مذہب درج کروائیں اور لکھیں کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں۔ پھر ان کو اندازہ ہوگا کہ یہ لیبل لگا کر پبلک میں گھومنے پھرنے سے انسان پر کیا گزرتی ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ مذہب کے خانہ کو شامل کرکے یہ دلیل دینا کہ اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں تو یہ اپنی کمزور دلیل کو سہارا دینے کی ایک کوشش ہے۔ ورنہ اگر واقعتہً یہ شرم دُور کرنے کی بات ہے تو ہر کسی کو اپنی شرم دُور کرنی چاہیئے۔ علماء میں سے دیوبندی بریلویوں کو برداشت نہیں کرتے اور مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ مُلک کو سُنّی سٹیٹ قرار دیا جائے۔ اب اس سُنّی سٹیٹ کے پیچھے کیا عوامل ہیں؟ سپاہ صحابہ کا ناموسِ صحابہ کے بارہ میں جو بِل لایا جارہا ہے اس کے پسِ پردہ کیا عوامل ہیں؟ یہی کہ

شیعوں کو منقارِ زیرِ پر رکھا جائے۔ تو اگر کوئی شیعہ سُنّی کارڈ کا الگ الگ کرنا برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے نتیجہ میں یقیناً فساد برپا ہوگا تو اس میں کیا تُک ہے کہ ایک غیر مسلم یا اقلیّت کے ممبر سے یہ کہا جائے کہ تم مذہب کے اظہار میں کیوں شرماتے ہو؟ گویا اب کہنا چاہتے ہیں کہ ہم شرمانے کے لیے تھوڑے ہیں جو تم نے بھی شرمانا شروع کر دیا ہے پس یا تو سب کی شرم دُور کریں یا سب کی شرم قائم رہنے دیں۔ دونوں باتیں کریں پھر آپ کو اصل نتیجہ ہاتھ آئے گا۔

تیسری دلیل:۔ مذہب والے معاملہ میں شرم کے اظہار سے آگے بڑھ کر ایک دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ چونکہ مُلک میں جُداگانہ انتخاب کا طریق رائج ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ درج کیا جائے کیونکہ اس شناختی کارڈ کے دکھانے کی صورت میں ہی کوئی اپنا ووٹ استعمال کر سکے گا۔ بظاہر یہ بات معقول نظر آتی ہے لیکن جب ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ پہلی بات سے بھی زیادہ کچی اور بودی ثابت ہوتی ہے۔ ووٹ اگر پولنگ سٹیشن پر بن رہے ہوں تو شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج ضروری ہے لیکن اگر آپ گھر گھر گھوم پھر کر ووٹ بنا رہے ہیں تو جس شخص کے دروازہ پر پہنچ کر آپ ووٹ کا اندراج کرتے ہیں اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے رہنے اور بسنے والے اہلِ محلہ اور ووٹ بنانے والا اسٹاف سب جانتے ہیں کہ یہ کس مذہب کا آدمی ہے؟ بایں ہمہ آپ نے اصرار کیا کہ ووٹ بنانے کی درخواست میں بھی مذہب کا اندراج ہو۔ وہ بھی بن گیا۔ ووٹر کے طور پر ایک حلف نامہ آپ اس سے لیتے ہیں۔ وہ حلف نامہ بھی آپ نے اس سے لے لیا۔ اب اتنا کچھ کر کے جب بھی ان تحقیقات اور احتیاطوں کے بعد آپ نے ووٹ بنایا اور غیر مسلموں کے ووٹوں کی فہرست الگ چھپتی ہے تو غیر مسلم ووٹوں میں سے کسی شخص کا مسلمان کے طور پر ووٹ دے دینا

اُسی طرح ناممکن ہے جس طرح کسی مسلمان کا غیر مسلموں کی فہرست میں جاکر ووٹ دینا۔ شناختی کارڈ میں جو کوائف ایک آدمی کے مذہب کے علاوہ درج کیے جاتے ہیں وہ کم و بیش ووٹ کی فہرست میں بھی موجود ہوتے ہیں یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کوائف کی بناء پر ہی ووٹ بنتا ہے۔ تو جب ووٹ بنانے وقت ہر قسم کی احتیاط کر لی گئی ہے تو اس کے بعد مزید کسی قسم کی احتیاط کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آتی کہ جب فہرست مرتب ہوتی ہے تو اس میں متعلقہ پارٹیوں کے نمائندے موجود ہوتے ہیں جو غلط ووٹنگ پر اعتراض کرنے والے اور صحیح ووٹر کو شناخت کرنے والے ہوتے ہیں۔ شناختی کارڈ میں وہ سارے کوائف درج ہوتے ہیں جو کسی کو ووٹ دینے کا اہل بناتے ہیں۔ تو ان کوائف کا باہمی مقابلہ کر کے بڑی آسانی کے ساتھ چیک کیا جا سکتا ہے کہ یہ ووٹ کوئی شخص صحیح لائن میں اپنی جگہ آکر استعمال کر رہا ہے یا غلط جگہ آکر استعمال کر رہا ہے۔ آج سے پہلے جتنے انتخابات ہوئے ہیں مسلم یا غیر مسلم کے حوالہ سے یہ اُلجھاؤ کبھی سامنے نہیں آیا کہ غیر مسلموں نے غلط طور پر اپنے ووٹ درج کروا لیئے ہوں یا استعمال کر لیے ہوں۔ آخر اتنے انتخابات میں ہر قسم کی دھاندلی ہوئی مگر یہ اعتراض کبھی سامنے نہیں آیا کہ کسی غیر مسلم ووٹر نے مسلمان کے طور پر ووٹ ڈال دیا ہو۔ پھر اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ووٹوں کا اُن کی اپنی علیحدہ فہرست میں اندراج ہے اور وہ وہاں اپنے ووٹ استعمال کرتے ہیں۔ پھر مزید کون سی احتیاط مطلوب ہے، اور کیوں؟

جُداگانہ انتخابات فرقہ واریت کا ٹائم بم

شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کو جُداگانہ انتخاب کی بناء پر ضروری قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ جُداگانہ انتخابات بھی دراصل ایک دھاندلی کا نتیجہ ہیں۔ ابتدائے ملک

میں مخلوط انتخابات ہوتے رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں کبھی اس قسم کی بدمزگیاں سامنے نہیں آئیں جو جُداگانہ انتخاب کے نتیجہ میں سامنے آرہی ہیں۔ اس جُداگانہ انتخاب کے نتیجہ میں جس طریق کار کو اب اپنایا جارہا ہے اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوگا کہ شیعہ سُنّی کا مسئلہ بھی اگلے انتخاب تک پختہ ہو جائے گا اور پھر آپ سے یہ مطالبہ ہوگا کہ اُن کو بھی الگ شناختی کارڈ جاری کیے جائیں اور اِن کی فہرستیں بھی الگ شائع کی جائیں۔ ان کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ اور ذکریوں کے ساتھ شیعوں کا نام پہلے بھی آچکا ہے۔ علماء اپنے بیانات جاری کر چکے ہیں اور وُہ اسی بات پر مُصر اور عزم کیے بیٹھے ہیں کہ جیسے ہی ان کو طاقت حاصل ہوگی تو وہ شیعوں کو، ذکریوں کو اور پھر اسماعیلیوں کو وہ غیر مسلموں میں دھکیل دیں گے۔ تو محض جُداگانہ انتخابات کے نتیجہ میں اِس وقت تک کوئی ایسا امر ہمارے سامنے نہیں آیا جو حکومت کو آئندہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے پر مجبور کرے۔ پھر اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ووٹ اپنی تعداد کے اعتبار سے کس قدر ہیں کہ جس کے انسداد کے لیے ہم اس قدر اہتمام کرنا چاہتے ہیں؟ اس پہلو سے اگر جائزہ لیا جائے تو اس مسئلہ کا وجود ہی کوئی نہیں۔ تو ووٹنگ کے وقت شناختی کارڈ، مطبوعہ فہرستیں اور مختلف پارٹیوں کے نمائندے کسی شخص کی شناخت کے لیے ضرورت سے زیادہ ہیں۔ اب اس کے بعد شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ مُلک میں تفرقہ انگیزی کی ایک صورت پیدا ہو اور بدمزگیاں بڑھیں۔

چوتھی دلیل:۔ اس بات کا اظہار اب کھُل کر ہو چکا ہے کہ دراصل شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج اس لیے ضروری ہو چکا ہے کہ اس کے ذریعہ دراصل صرف قادیانیوں کو قابو کرنا ہے۔ تاکہ قادیانی گروہ انتخابات میں اور ووٹنگ کے وقت اپنے ووٹ مسلمانوں میں نہ

استعمال کر سکے۔ اب یہ عجیب منطق ہے کہ عام اقلیتوں کا سوال ہو۔ تو حکومت انہیں تسلیاں دلائے۔ کہ آپ ہرگز فکر نہ کریں۔ اور یہ کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ سے آپکے حقوق کا تحفظ حکومت کے پیش نظر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ قادیانیوں کو اگر آپ اس کارروائی سے گرفت میں لانا چاہتے ہیں۔ تو کیا وہ پاکستان کے شہری نہیں۔ اور اقلیت میں ہوتے ہوئے کیا آئین ان کے حقوق کا تعین اور حفاظت نہیں کرتا۔ پھر استثنائی سلوک ملک کے ایک طبقہ سے کیوں اور کس انصاف کے اصول کے تحت؟ علاوہ ازیں خود حکومت کے ادارے قادیانیوں کی تعداد کے بارہ میں مختلف و متضاد دعاوی کرتے رہے ہیں۔ ایک وقت میں ساٹھ ہزار بتائے گئے اور جب راجہ ظفر الحق صاحب صدر ضیاء الحق صاحب کے وقت میں وزیر تھے تو انہوں نے مبینہ طور پر قادیانیوں کی تعداد ایک لاکھ اور چند ہزار بتائی تھی۔ اب ظاہر ہے کہ اس تعداد میں قادیانیوں کے بچے، عورتیں، بوڑھے یعنی وہ افراد جو ووٹ کے اہل نہیں سب شامل ہیں۔ اور اگر خالصتاً اُن کے ووٹ دینے کے اہل افراد کی گنتی کی جائے تو اس تعداد کو بنیاد بنا کر جو کہ چند ہزار سے زائد نہیں ہو سکتی اور وہ چند ہزار کی تعداد بھی سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اگر کسی اُمیدوار کے حق میں یا خلاف اس بکھری ہوئی تعداد کے چند ووٹ استعمال ہو بھی جائیں تو اس کے نتیجہ میں کوئی آسمان نہیں گرتا۔ نہ ان کے ووٹوں کی بناء پر کوئی شخص جیتتا ہے نہ کوئی شخص ہارتا ہے۔ اس لیے قادیانیت کو تو ہمارے سر پر ایک ہوّا بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے اور جو ناجائز کام کرنا ہو قادیانیوں کے حوالہ سے اس کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف امر واقعہ یہ ہے اور ہمیں بعض باخبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ قادیانی تو ایک عرصہ سے اپنے ووٹ استعمال ہی نہیں کر رہے لیکن اب شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کر کے بظاہر انہیں مجبور کر کے کہ وہ اپنے ووٹ بنائیں ہم نادانستہ اس کوشش میں تو نہیں کہ وہ ووٹ کی فیلڈ میں

آئیں؟ پہلے جب جُداگانہ انتخاب کا طریق رائج کیا گیا تو قادیانیوں کو خارج کرنے کے لیے یہ طریق اختیار کیا گیا تھا اور اس وقت سوچ یہ تھی کہ قادیانی جنہوں نے بھٹو کو پاور میں لانے کے لیے رول ادا کیا تھا وہ دوبارہ ضیاء کے خلاف ووٹ کی طاقت استعمال نہ کر سکیں اور اب ہم ان کو ووٹ کی طاقت دوبارہ تھما کر یہ کوشش نادانستہ طور پر کر رہے ہیں کہ وہ اس فیلڈ میں دوبارہ آئیں اور مُلک کے لیے ایک چیلنج بنیں۔ لیکن یہ بات تعجب انگیز ہے کہ بھٹو کو طاقت میں لاتے وقت قادیانیوں کا اگر سارا ووٹ بھی استعمال ہوا ہو تو حکومت کی بتائی ہوئی تعداد کے لحاظ سے تو وہ تعداد ایک لاکھ سے کم ہی ہے۔ ایک لاکھ ووٹر کس طرح کسی شخص کو طاقت یا حکومت میں لاسکتا ہے؟ اور ایک لاکھ بکھرے ہوئے ووٹ کی تو کوئی وقعت ہی نہیں۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ قادیانی غیر معمولی طور پر منظم گروہ ہے اور تنظیم کی طاقت کے ذریعہ انہوں نے اپنے روابط، تعلقات اور اثر ورسوخ اپنے ماحول میں اس قدر گہرا قائم کیا ہوا ہے کہ اس وقت بھی جب وہ طرح طرح کی پابندیوں کے نیچے ہیں آبادی کا ایک غالب حصّہ ایسا ہے جو قادیانیوں کے پیچھے چلنے یا ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے تیار رہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قادیانی اگر کوئی کردار ادا کرتے رہے یا آئندہ کر سکتے ہیں تو وہ ووٹ کی طاقت سے نہیں بلکہ حسبِ سابق اپنے اثر ورسوخ کی طاقت سے ایسا کر سکتے ہیں اور اس کے انسداد کا کسی گروپ یا حکومت کے پاس کوئی مؤثر حربہ نہیں۔ بدقسمتی سے اس وقت تک اُن کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے وہ اس کے نتیجہ میں اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرتے ہیں اور مظلوموں کے ساتھ طبعی طور پر شرفاء اور نیک انسانوں کی ہمدردیاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے جتنا ہم اُن کو دبانے کے لیے ناجائز طریقے اختیار کر رہے ہیں اسی قدر درحقیقت ان کی طاقت اور ان کے ساتھ لوگوں کی ہمدردیوں میں اضافہ کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔ تو یہ چند مولویوں کو تو فکر ہو سکتی ہے کہ چار قادیانی

کہیں آگے نہ آجائیں لیکن اگر تجزیہ کر کے دیکھیں تو نہ اُن کے ووٹ ہیں، نہ موجودہ حالات میں اُن کے ووٹ کی اتنی طاقت ہے۔ اور اس حوالہ سے یہ کہنا کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ اس لیے شامل کر رہے ہیں کہ کہیں قادیانی ووٹ نہ بنوا جائیں اور ووٹ غلط طور پر استعمال نہ کر جائیں، بالکل نامعقول بات ہے۔ ہاں یہ کہہ کر باقی اقلیتوں کو دھوکا ضرور دیا جا رہا ہے۔

پانچویں دلیل:۔ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے کے جواز کے طور پر جو دلائل حکومت کے نمائندے یا علماء پیش کر رہے ہیں اُن میں ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ مُلک میں جُداگانہ انتخاب کا نظام رائج ہے اس لیے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنا گویا حکومت کی ایک مجبوری ہے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ مُلک میں جُداگانہ بنیاد پر انتخاب تو پہلے بھی ہوئے اور اس وقت مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں شامل نہ تھا۔ آیا وہ انتخابات درست اور قانونی طور پر مؤثر تھے؟ یا مذہب کا خانہ شامل نہ ہونے کی وجہ سے اقلیتیں مُلک و ملت کے مفاد کے خلاف کوئی کردار ادا کرنے میں خدانخواستہ کامیاب ہوگئیں جس کی بناء پر حکومت نے اصلاحِ احوال کی غرض سے اب مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔ اقلیتوں کے حوالہ سے تو ایسی کوئی بات آج تک سامنے نہیں آئی کہ اُن کے کسی رول کے نتیجہ میں انتخابات پر کوئی غیر معمولی اثر پڑا ہو۔ ہاں البتہ شناختی کارڈ جس کے بارہ میں آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں مذہب کا خانہ شامل کر لینے سے انتخابات یقینی طور پر صحیح اور درست ہوں گے، یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ انتخابات جس کے نتیجہ میں نواز شریف صاحب اور ان کی حکومت برسرِ اقتدار آئے، اُن کے انتخابات کے بارہ میں اخبارات اس بات سے بھرے پڑے ہیں کہ شناختی کارڈ اندھا دھند بنائے گئے اور ایک منظم سکیم کے تحت لاکھوں لاکھ شناختی کارڈ بنا کر جعلی ووٹ بھگتائے گئے۔ اس قسم کے تجربہ کے بعد یہ سوچ لینا کہ شناختی کارڈ دکھا دینے کے نتیجہ میں لازمی طور پر صحیح

انتخابات ہوں گے تو ہمارا گزشتہ تجربہ اس سوچ کو جھٹلاتا ہے۔ اس لیے حکومت کی اس دلیل میں کوئی وزن نہیں کہ شناختی کارڈ اور ان میں مذہب کا خانہ جُداگانہ انتخاب کی وجہ سے ضروری ہے۔

اقلیتی ووٹ کی قدر و قیمت

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جُداگانہ انتخابات کا بنیادی تصور یہ پیش کیا گیا تھا کہ اس کے نتیجہ میں اقلیتوں کو اپنی زائد سیٹیں مل سکیں گی جبکہ اگر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی اکثریت میں شامل کر کے انتخاب لڑیں تو اس بات کا امکان ہے کہ اُن کو ایک سیٹ بھی نہ ملے۔ سوال یہ ہے کہ اس سوچ کا منبع کون ہیں؟ حکومت ہے یا اقلیتیں ہیں؟ اگر اقلیتیں جُداگانہ انتخابات پر مطمئن نہیں اور مخلوط انتخاب کا ان کی طرف سے اب بھی بار بار مطالبہ کیا جا رہا ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اقلیتیں نادانی یا ناسمجھی کے نتیجہ میں ایسا مطالبہ کر رہی ہیں۔ لیکن اقلیتوں کو اتنا ناسمجھ سمجھنا بھی ناسمجھی کی بات ہے کیونکہ انہیں اپنے حقوق اور مفادات کا پوری طرح احساس ہے اور وہ بجا طور پر سمجھتی ہیں کہ تین سال یا پانچ سال کے بعد ایک ووٹ استعمال کر لینے کے نتیجہ میں جو حق انہیں ملتا ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں بمقابلہ اس کیفیت اور ذہنی ٹارچر کے جو سالہا سال اس شناختی کارڈ کی وجہ سے وہ برداشت کرتے رہیں گے۔ تو دونوں حقوق میں سے وہ کس کو قربان کریں اور کس کو وہ اپنائیں۔ یہ اقلیتوں کے فیصلہ کرنے کی بات ہے۔ اور جب اقلیتیں اس بات پر مطمئن ہیں کہ ہمیں جُداگانہ انتخابات نہیں چاہئیں کیونکہ ایک ووٹ کی پرچی بھگتانے کی خاطر پانچ پانچ سال تک ہمیں دو نمبر شہری بنا کر رکھ دیں گے۔ تو پھر جُداگانہ انتخاب میں کونسی معقولیت اور کیا وزن ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ دونوں باتوں میں موازنہ کرنے

کے بعد ہی اقلیتیں اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ انہیں اپنا حقِ ووٹ اگر قربان بھی کرنا پڑا تو کردیں گے لیکن دوسرے نمبر کے شہری کہلانے پر مطمئن نہیں ہیں اور حکومت ڈٹی بیٹھی ہے کہ اُن کو دو نمبر شہری بنانا ہے۔ صرف ووٹ کی پرچی کا یہ لالچ دے کر کہ وہ آپ کو الگ استعمال کرنے کا موقع مِل جائے گا۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ اب ووٹ پاکستان میں اپنی قدرو قیمت کھو چکا ہے؟

کیا سچّا مسلمان اکثریت و اقلیّت ہر دو سے مرعوب ہے

تیسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ جُداگانہ انتخابات ٹھیک نہیں۔ بنیادی طور پر یہ کس کی خواہش کے نتیجہ میں ہوئے؟ پہلے یہ تصوّر تھا کہ ہندو اکثریت کے مقابل پر چونکہ مسلمانوں کی تعداد اقلیت والی ہے اور انہیں اسمبلیوں میں کم نمائندگی ملے گی۔ اس لیے جُداگانہ انتخاب ہوں تو مسلمان کچھ حلقوں میں سیٹیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پاکستان میں جہاں اقلیتوں کی تعداد ساڑھے تین یا زیادہ سے زیادہ چار فیصد سے زیادہ نہیں تو اِن لوگوں کے مقابل پر حکومت کو کیا مجبوری ہے کہ وہ جُداگانہ انتخاب کا نظام رائج کرے؟ اکثریت بلکہ غیر معمولی اکثریت رکھنے والا مُلک اور حکومت یہ سوچ کر بیٹھ جائیں کہ ہمیں مخلوط انتخاب نہیں چاہیئے کیونکہ ساڑھے تین فیصد کی تعداد میں اقلیتوں سے ساڑھے چھیانوے فیصد اکثریت کو خطرہ ہے۔ تو اس بات میں تو کوئی وزن نہیں اُدھر کسی بھی نمائندہ اقلیّت نے آج تک یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ہمیں جُداگانہ انتخاب چاہیئے۔ اس لیے حکومت کو تو بنیادی طور پر اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ کونسا طریقِ انتخاب مُلک کے حالات اور ضروریات کے مناسبِ حال ہے۔ مخلوط انتخاب کے نتیجہ میں اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اقلیّتوں کو سیٹیں نہیں ملیں گی تو اقلیتیں ان چند سیٹوں کے لیے ہرگز

کسی بیقراری کا اظہار نہیں کر رہیں اور از خود جب ان کی طرف سے یہ مطالبہ آ رہا ہے کہ ہمیں مخلوط انتخاب چاہیئے جُداگانہ نہیں تو وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہوسکتا ہے اِنہیں یہ سیٹیں نہ ملیں لیکن جُداگانہ انتخاب کی آڑ میں انہیں چونکہ دو نمبر کا شہری بنایا جا رہا ہے اس لیے نہ انہیں انتخاب میں دلچسپی ہوسکتی ہے نہ انہیں ایسے شناختی کارڈ میں دلچسپی ہوسکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ جُداگانہ انتخاب میں ووٹنگ کے وقت شناختی کارڈ دکھایا جانا تو اس کے متعلق اور کئی پیش بندیاں پہلے سے موجود ہیں اور اس میں ہرگز کوئی معقولیّت نہیں کہ اُن ساری پیش بندیوں کے باوجود پھر مذہب کا خانہ شامل کرنے کی ضد کیوں ہے ؟

مذہبی خانہ کی ضرورت

گزشتہ دنوں ہیومن رائٹس کمیشن پاکستان کے ڈائریکٹر جناب عزیز صدیقی صاحب نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے ابتک کسی ایسی افادیت کا ذکر نہیں کیا گیا جو پہلے ہی کسی اور طریقہ سے میسّر نہ آ رہی ہو۔ صرف ایک بات کہی گئی ہے کہ جُداگانہ طرزِ انتخاب میں معاون ہوگی۔ لیکن جُداگانہ انتخاب میں ووٹروں اور اُمیدواروں کے لیے الگ الگ فہرست ہوتی ہے اور ہمارے ہاں اقلیتوں کی تعداد اتنی مختصر ہے کہ ان کی فہرست بنانا اور ان کے انتخاب کو مانیٹر کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ لیکن آپ صرف اسی کام کے لیے اڑھائی ارب روپے مزید خرچ کرنے پر تُلے بیٹھے ہیں۔ یہ آپ کی کونسی ترجیحات ہیں اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ؟ تو چند اقلیتوں کی سیٹوں کو الگ کرنے کی خاطر جن سے نہ مُلک کو کوئی خطرہ ہے نہ سیاست کو خطرہ ہے، اس کی خاطر آپ یہ کھیل کھیل رہے ہیں کہ اڑھائی ارب روپیہ

پانی کی طرح بہانا چاہتے ہیں، صرف چند مُلّانوں کے ذہن کو سکون دینے کے لیے ورنہ اس کے اندر سیاسی طور پر کوئی معقولیّت ہے نہ مذہبی طور پر۔ اور یہ وقت، محنت اور روپیہ کا ضیاعِ محض ہے جس کا تلخ نتیجہ ہم کب تک بھگتتے چلے جائیں گے یہ آئندہ تاریخ بتائے گی۔

اقلیّتوں پر مہربانی کی حقیقت

جُداگانہ انتخاب کے ضمن میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں جو اقلیّتیں ہیں وہ سارے مُلک میں بکھری پڑی ہیں اور اس وقت عملاً ان کو انتخاب کے سلسلہ میں جو پولنگ سٹیشن مہیا کیے جاتے ہیں چونکہ سارے مُلک میں ان کا پھیلاؤ ہوتا ہے اور اس کی نسبت سے ووٹروں کی تعداد چونکہ کم ہے تو معمر لوگ، عورتیں اور وہ نادار اور بے بس لوگ جن کو ٹرانسپورٹ کا سہارا نہیں، اس قسم کے لوگ تو ووٹنگ کے لیے پولنگ سٹیشنوں پر پہنچ ہی نہیں پاتے اور بعض اوقات ایک پولنگ سٹیشن پر پہنچنے کے لیے میلوں میل سفر ایک آدمی کو کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے حالات کے لحاظ سے اقلیّتیں اتنا بوجھ برداشت نہیں کر سکتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انتخاب میں ان کی دلچسپی برائے نام رہ جاتی ہے۔ دراصل جُداگانہ انتخاب کا طریق اقلیّتوں کو اُن کے ووٹ سے محروم کرنے کا ایک حربہ ہے کہ اتنی دور تک نہ وہ چلیں گے اور نہ وہ جائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ محض علامتی طور پر ایک انتخاب ہوگا جس میں اقلیّتوں نے اپنے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔ عملاً میل ہا میل کا سفر کرکے کون اتنا خرچ برداشت کرے اور بغیر وسائل کے پولنگ سٹیشن پر پہنچ کر ووٹ ڈالے؟ ایسا ہوتا نہیں۔ دوسری طرف اگر کوئی اُمیدوار اِن سارے اخراجات کا متحمّل ہونا چاہے تو وہ بھی اس کی برداشت اور ہمّت سے باہر ہے کہ اپنے

ووٹروں کو سینکڑوں میلوں کا سفر کروا کر انہیں ووٹنگ کے لیے پولنگ سٹیشن پر لائے۔

اسلام کو اس کے نادان دوستوں سے بچایئے

پس خلاصہ کلام یہ کہ یہ جتنا ڈرامہ ہے انتخابی دائرہ کو سامنے رکھ کر اور جُداگانہ طرزِ انتخاب اور شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ، یہ ساری چیزیں درحقیقت کسی گہری سازش کی نشاندہی کرتی ہیں۔ علماء اتنے سادہ نہیں اور نہ حکومت اتنی سادہ ہے کہ وہ یہ سمجھیں کہ اُن کی چند باتوں کے نتیجہ میں اقلیتوں کو سارے منصوبہ کے پسِ پردہ اُس زہر، اُس بدنیتی اور بدسلوکی کا اندازہ نہیں ہوگا جو شناختی کارڈ میں مذہبی خانہ کی تائید کرنے والوں کے پیشِ نظر ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مُلک کے اندر ایک رَو چلی ہوئی ہے مولویوں کی بدسلوکی، نااہلی، مسلمانوں کی باہمی انارکی اور اختلافات کی وجہ سے پاکستان کے مسلم شہریوں کی ایک ایسی تعداد سال کے اندر بن جاتی ہے جو اپنے مذہب سے برگشتہ ہو کر عیسائیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اب اس کے نتیجہ میں مولوی یہ سوچ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں سے عیسائی بن جانے والے لوگوں کو دلائل کے ساتھ ہم اپنے ہاں واپس نہیں لا سکتے۔ (اگر دلائل کی طاقت موجود ہوتی تو عیسائیت میں لوگ جاتے کیوں!) جو لوگ عیسائیت کی طرف مائل ہو چکے ہیں اُن کو ہم روک نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں افراد ہر سال عیسائیت کی آغوش میں جا رہے ہیں اور مولوی کلیتہً بے بس نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے اب یہ چال سوچی ہے کہ اگر مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں شامل کر دیا جائے تو کوئی مسلمان جب مولویوں کے بدسلوک اور بُرے نمونہ سے بددل ہو کر عیسائیت میں جانا چاہے گا تو اسکو اپنا شناختی کارڈ تبدیل کروانا پڑے گا۔ اور جب وہ کارڈ تبدیل کروانے کے لیے سامنے آئیگا

تو اُس کی گرفت ہو سکتی ہے کہ تم اسلام چھوڑ کر عیسائیت میں کیوں جا رہے ہو؟ اس طرح گویا سالانہ نتیجہ بھی معین طور پر سامنے آسکے گا کہ کتنے لوگ بددل ہو کر اسلام سے عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔ گویا شناختی کارڈ کو اس غرض سے استعمال کرنا مقصود ہے کہ مولویوں کے بدنمونہ کو دیکھ کر جو لوگ اپنے آبائی مذہب اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں، اگر وہ جائیں تو مولویوں کو خبر ہو کہ کون گیا ہے؟ لیکن وہ اس خبر سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ ملّاں کے دین کی طرف واپس آنا کون پسند کرے گا؟ پھر علماء کو یہ شعور ہی نہیں کہ اگر پانچ لاکھ یا چار لاکھ یا دو لاکھ آدمی سال کے اندر عیسائیت میں داخل ہو رہا ہے اور یہ دو یا چار لاکھ آدمی مسلمانوں والے شناختی کارڈ ہی لیے پھریں گو وہ عملاً عیسائیت میں داخل ہو چکے ہوں تو ایسے "مسلمانوں" سے یا اُن کے گزند سے، جس سے مولوی ڈرتے ہیں اور جسے مولویوں نے ایک منصوبہ کے تحت ہوّا بنا کر کھڑا کیا ہوا ہے علماء کس طرح نپٹیں گے اور اس کا تدارک اور چیک ان لوگوں کے پاس کیا ہوگا؟ علماء سوچتے ہیں کہ جب کوئی دینِ اسلام سے پھرے گا تو لازماً شناختی کارڈ بھی تبدیل کرائے گا۔ لیکن اگر یہاں کی گندی اور مخالفانہ فضا اور فرقہ واریت کے رجحان کو دیکھتے ہوئے عیسائی ہونیوالے لوگ اپنے کارڈ تبدیل نہ کرائیں اور مسلمان کے طور پر ہی وہ اپنے کارڈ استعمال کرتے رہیں تو گویا اس قسم کے کثیر افراد کو منافقت کا جامہ پہنانے کی ذمہ داری مولوی اپنے سر لے رہا ہے۔ اگر وہ اپنا شناختی کارڈ نہ تبدیل کرائے تو منافق کے طور پر وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا حالانکہ در پردہ وہ عیسائی ہو چکا ہوگا۔ اس طرح آپ کا یہ سارا سسٹم کمپیوٹرائز کرنیکا، چیک کرنے کا اور نئے کارڈ جاری کرنے کا فیل ہو جائے گا اور اگر وہ اپنے بارہ میں اظہار کرتا ہے تو پھر مولویوں کا یہ شور ہوگا کہ ہم کسی شخص کو مذہب تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اور دراصل یہ وہی مطالبہ ہے جو چند علماء

بار بار کرتے رہے ہیں کہ ملک میں ارتداد کی سزا قتل قرار دی جائے۔ یہ گویا اس سزا کے لیے اقلیتوں میں شامل ہونیوالے افراد کو تیار کر کے تلوار کے نیچے لانا چاہتے ہیں اور بظاہر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کر کے دراصل وہ ملک میں یہ کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اقلیتیں بھی حق بجانب ہیں جب وہ اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ اس کارڈ کا اقلیتوں کے خلاف نہایت خطرناک استعمال ہوگا جس کی وہ کسی صورت میں بھی روادار نہیں ہوسکتیں۔

جُداگانہ انتخاب کے حوالہ سے ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ اخبارات میں حکومت کے نمائندے اور علماء کھُل کر اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے سے اصل مقصود اقلیتوں کی راہ روکنا نہیں بلکہ اس کے ذریعہ وہ قادیانیوں کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ جُداگانہ انتخاب اس لیے رکھا گیا ہے کہ اقلیتوں کو اُن کے حق ملیں اور وہ اپنی تعداد کی نسبت سے اپنے نمائندے منتخب کرلیں جبکہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ کسی شخص کے ضمیر کے خلاف اس سے کوئی اقرار لینا دُنیا میں کسی جگہ بھی معروف اور مناسب نہیں سمجھا گیا۔ قادیانی اگر اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو محض شناختی کارڈ اور ووٹ کے دباؤ سے ہم کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ دراصل یہ ساری صورتحال انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ ایک طرف ہم قادیانیوں سے خائف ہیں کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں انہوں نے بڑا زبردست رول ادا کیا اور بھٹو کی معمولی اوقات سے اس کو اٹھا کر انہوں نے وزیر اعظم کے عہدہ پر پہنچا دیا تھا اور اب اُن کو دوبارہ میدان میں آنے دیا جائے۔ دوسری طرف ہم اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کر کے اور جُداگانہ انتخاب سے ان کو الگ سیٹیں حاصل کرنے کا موقع دیں۔ اگر

یہی نیت ہے کہ قادیانی بھی اپنے نمائندے کھڑے کریں اور قادیانی بھی انتخابات میں بھرپور حصہ لیں جس طرح ۱۹۷۰ء میں انہوں نے لیا تھا۔ تو پھر ان کو غیر مسلم قرار دے کر ووٹ سے محروم کرنا اور غیر مسلم قرار دے کر شناختی کارڈ سے محروم کرنا ان دو باتوں میں تضاد اور حکومت کا دوغلہ پن ظاہر ہوتا ہے اگر آپ اقلیتوں کے حوالہ سے قادیانیوں کا رستہ صاف کرنا چاہتے ہیں تو پھر جو روکیں وہ محسوس کرتے ہیں ان روکوں کو آپ اُٹھائیں اور پھر نبٹیں اُن کے ساتھ۔ پھر دیکھیں کہ ۱۹۷۰ء کا رول جو انہوں نے ادا کیا اس کے بعد وہ کیا کرتے ہیں؟ لیکن یہ کہنا کہ ایک طرف ہم ان کو حق دینا چاہتے ہیں، دوسری طرف حق سے محروم کرنے کے لیے جتنی دیواریں ہم کھڑی کر رہے ہیں دُنیا میں اتنی دیواریں تو کہیں بھی کھڑی نہیں کی گئیں جبکہ حکومت اور حکومت کے کارندے اچھی طرح جانتے ہیں کہ قادیانیوں نے گزشتہ کئی انتخابات میں حصہ اس وجہ سے نہیں لیا کہ وہ اپنے عقیدہ اور سوچ کے مطابق وہ حلف نامہ نہیں پُر کر سکتے جو ووٹ بنواتے وقت ہر کسی سے پُر کروایا جاتا ہے۔ تو جب ان کے ووٹ ہی نہیں تو ان کو چیک کرنے کے لیے مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں کیوں شامل کرنا چاہتے ہیں؟ یہ تو تب ہو کہ انہوں نے آپ کے جبری نظام کو قبول کر کے ووٹ بنوا لیے ہوں اور پھر آپ کو خطرہ ہو کہ ووٹ میں دھاندلی کریں گے اس لیے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کر دیا جائے۔ تو جس شخص کا ووٹ ہی نہیں اس کے لیے آپ یہ اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ دراصل یہ ایک بہانہ ہے دوسری اقلیتوں کو جال میں پھنسانے کا!۔ بظاہر تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ ہم قادیانیوں کے لیے کر رہے ہیں حالانکہ قادیانی تو انتخاب میں حصہ نہیں لیتے۔ پھر آپ جُداگانہ انتخاب کے حوالہ سے مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں کیوں شامل کرنا چاہتے ہیں؟ اصل حقیقت یہ ہے اور جیسا کہ دُنیا میں ہر جگہ

اس اصول کو مانا گیا ہے کہ حکومتیں اپنی حکومت کو چلانے کے لیے "لڑاؤ اور حکومت کرو" (DIVIDE AND RULE) کی پالیسی اپناتی ہیں۔ اب اقلیتوں کو بھی آپس میں تقسیم کرنے کے لیے کہہ دیا گیا کہ اقلیتیں جو ہیں، عیسائی ہیں، پارسی ہیں، بہائی ہیں اور دوسرے لوگ جو ہیں یہ بے فکر رہیں۔ ان کو اِس شناختی کارڈ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور پہنچے گا کس کو، صرف قادیانیوں کو! ۔ یہ گویا ان کو آپس میں تقسیم کرنے والی بات ہے اور اس سے دراصل وہ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح اقلیتوں نے متفقہ طور پر متحدہ طور پر اپنے جوش اور جذبہ اور ردِّعمل کا اظہار کیا ہے یہ حکومت کے لیے پریشانی کا موجب بنا ہے اور حکومت اس ردِّعمل کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتی۔ لیکن اب جو طفل تسلّیاں دینی شروع کی گئی ہیں کہ آپ لوگ مطمئن رہیں کہ درحقیقت قادیانیوں کے خلاف اصل منصوبہ ہے، قادیانیوں سے ہم نپٹنا چاہتے ہیں۔ یہ حکومت اور اس کے ہمنواؤں کا جھوٹ ہے، صریحاً جھوٹ ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قادیانیوں کا تو ووٹ ہی نہیں۔ تو نتیجتہً اس کا اثر اقلیتوں پر پڑے گا جنہوں نے آئندہ انتخاب میں حصّہ لینا ہے، جنہوں نے انتخاب کے لیے اپنے شناختی کارڈ کو پیش کرنا یا دکھانا ہے، نہ کہ قادیانیوں پر جنہوں نے ووٹ کا حق سرنڈر کر رکھا ہے۔ شناختی کارڈ کو ووٹ سے منسلک کرنا ایک چالاکی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس ذریعہ سے وہ آئندہ اقلیتوں کی ترویج، ترقی اور پھیلاؤ کو مُلک میں روکنا چاہتے ہیں اور کُل مُلک میں ارتداد کی سزا قتل قرار دینے کے لیے بنیاد مہیّا کرنا چاہتے ہیں۔ اس غرض سے یہ سارا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے ورنہ جُداگانہ انتخاب کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو حکومت کے لیے پریشانی کا باعث ہو اور ساڑھے تین فیصد آبادی کے لیے انہیں اتنے اہتمام کرنے پڑیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عہدِ حاضر کا انسانی معاشرہ تہذیب و ترقی کے جس مقام پہ پہنچ چکا ہے اس کا لازمی اور طبعی تقاضہ ہے کہ حکومت روشن خیالی کے موجودہ روشن دور کے عین مطابق اور اپنے شایانِ شان قدم اٹھائے اور ساری قوم کے لیے مساویانہ رنگ میں عدل و انصاف فراہم کرے نہ یہ کہ مُلک کی اقلیتوں کو چُن چُن کر مظالم کا نشانہ بنانا شروع کردے۔ بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے فرامین کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بلا امتیاز مذہب و ملّت ہر پاکستانی کو مساوی حقوق کے حصول کی راہ میں اگر حکومت ہی دراڑیں ڈالنا شروع کردے تو پھر امان ہی اُٹھ جائے گی۔ پاکستانی شہریوں میں مذہبی اور فرقہ وارانہ امتیاز کی بناء پہ برتاؤ سے بالآخر ایسی ناگوار صورتحال سامنے آئے گی کہ اخلاقی اقدار کا جنازہ اُٹھ جائے گا اور پھر خدانخواستہ حضرت بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ کے عظیم پاکستان کے متعلق خواب دھندلا کر رہ جائیں گے۔ اب یہ فیصلہ کرنے کے لیے بہت تھوڑا وقت ہے کہ ہم نے قائداعظمؒ کے پاکستان کی تعمیر آپؒ کے ارشادات کے مطابق اسلام کی روشن خیال تعبیر کے مطابق کرنی ہے یا اُن تنگ نظر علماء کی تنگ نظری سے رہنمائی حاصل کرنی ہے جن کی ایک بڑی تعداد قیامِ پاکستان اور حضرت قائدِاعظمؒ کی آخر دم تک مخالف رہی۔

انجمن تحفظ حقوق انسانی کراچی